جبری شادی

[شریعت اسلامیہ کی روشنی میں]

* پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا

برطانیہ، امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں ایشیا اور افریقہ سے گئے ہوئے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے، ان میں بہت سے خاندان تو دو تین نسلوں سے بھی زیادہ عرصے سے وہاں مقیم ہیں، ان کی اولادیں جو مسلمان ہیں وہاں کی تعلیم و تربیت اور نشوونما کی وجہ سے اِن ملکوں کی نسبت اُن ملکوں سے زیادہ رغبت رکھتی ہیں جہاں سے ان کے والدین ترک وطن کر کے یہاں آئے تھے، اِن لڑکوں اور لڑکیوں کے مزاج، طور طریقے تقریباً سارے کے سارے مغربی ممالک کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں، للہذا وہ اپنی زندگی کے جیون ساتھی بھی وہاں سے ہی چننا پسند کرتی ہیں۔

ان کے والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی بچی کا رشتہ مسلمان ممالک جہاں ان کے رشتہ دار رہائش پذیر ہیں کریں، اس کی بڑی وجہ وہاں کے معاشرے کی آزاد فضا اور پھر اس آزاد فضا سے پیدا ہونے والے مسائل ہیں، کیونکہ وہاں بچپن ہی سے لڑکے اور لڑکیاں سکولوں میں تعلیم پاتے ہیں اور چونکہ ان ممالک میں مذہب کی کوئی اہمیت نہیں ہے لہٰذا ایسے گھروں سے آنے والے بچوں کے اخلاق بھی شروع سے بگڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر وہاں تعلیم اور نصاب اس کی رہی سہی کسر پوری کر دیتے ہیں یہاں تک ہی معاملہ نہیں عملی زندگی میں بھی بہت سے والدین ایسے ہیں جن کے شادی سے پہلے بھی کچھ بچے ہوتے ہیں جنہیں ٹوی Tomy بچے کہا جاتا ہے۔ جب والدین بوڑھے ہوتے ہیں تو ان کی بہوویں انہیں اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتیں۔ لہٰذا انہیں ان کی اپنی اولادیں Old houses (بوڑھوں کی خاطر مدارت کرنے والے سنٹرز) میں پہنچا آتی ہیں۔

---

* پروفیسر، ڈائریکٹر اسلامک ریسرچ سنٹر، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

ان تمام مسائل کو دیکھ کر والدین شاید ہی اپنی اولاد کے لئے وہاں سے جیون ساتھی پسند کرنا چاہیں گے۔ اکثریت کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا داماد یا بہو مسلم ممالک خاص طور پر ہندوستان، پاکستان، ایران وغیرہ سے ہو۔ وہ اپنے بالغ عاقل بچوں کو انہیں اپنا قدیم وطن دکھانے یا سیر وتفریح کرانے کے لئے ان ممالک میں لاتے ہیں اور لڑکی لڑکے کی پسند وناپسند کا خیال رکھے بغیر یا ان کی عدم رضا اور جبر واکراہ سے انہیں زدوکوب کر کے اور انہیں مختلف قسم کی دھمکیاں دے کر انہیں یہاں شادی کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جن کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں یہاں کے لڑکوں کو شوہر تسلیم نہیں کرتیں اور واپس جا کر کونسلر سے رجوع کرتی ہیں۔ حکومت برطانیہ نے ایک رپورٹ مرتب کروائی ہے اور ان واقعات کا سخت نوٹس لیا ہے۔ پریس میں ایسے واقعات آنے سے مسلمانوں اور اسلامی معاشرے کو زبردست زک پہنچی ہے۔ اس کے نتیجے میں آزادی نسواں اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو یہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ اسلام میں آزادی رائے اور عورتوں کے حقوق اس حد تک پامال کئے جاتے ہیں کہ ایک عاقلہ بالغہ لڑکی کو تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود کسی ناپسندیدہ شخص کے نکاح میں رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔(۱)

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ مقالہ اس مسئلہ کے حل کی جانب ایک قدم ہے۔ سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ترک وطن پر کیوں مجبور ہوتے ہیں۔

ترک وطن کی وجوہات

ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کی وجوہات یہ ہوسکتی ہیں:

① اپنے ملک میں کسی کو مناسب ملازمت نہ ملنا یا اپنے ملک میں وہ جو کاروبار کرنا چاہتے ہیں، اس کے وسیع امکانات نہ ہونا اور دیار غیر میں اس کی ملازمت یا کاروبار کی ترقی کے زیادہ مواقع کی موجودگی۔

② عدم تحفظ کا احساس، یا کسی بھی وجہ سے قید و بند کا شکار ہونا یا اس کا امکان بھی انسان کو بیرون ملک سفر پر مجبور کرتا ہے۔

③ غیر مسلموں کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے اپنا وطن ترک کرنا۔

④ اپنے خاندان یا کمیونٹی پر رعب جمانے کے لئے کہ ہم باہر Settle ہیں، اور زیادہ مہذب ہیں۔

⑤ تعلیم کے حصول کے لئے باہر جانا اور وہاں کی رنگینیوں سے متاثر ہو کر مستقل رہائش اختیار کر لینا۔

اس کے علاوہ اور بھی وجوہات ہو سکتی ہیں جن کا ذکر بہر حال غیر ضروری ہے۔ تاہم کیا ترک وطن ضروری ہے؟

ترک وطن کی شرعی حیثیت

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام میں ان درج وجوہات کی بنا پر اپنا مسلم ملک چھوڑنا جائز ہے یا نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ. وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ﴾ (۲)

''وہ ایسی ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا اب تم اس کے راستوں میں چلو اور خدا کی روزی میں سے کھاؤ اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے''۔

اپنے مسلمان بھائیوں پر رعب جمانا جائز نہیں ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اگر اپنے ملک میں ضروریات پوری ہو رہی ہیں تو اپنے آپ کو خواہشات و منکرات میں ڈالنے کا خطرہ مول نہ لیا جائے تو اچھا ہے اور اگر اس بات کا یقین ہو جائے کہ بیرون ملک جانے کی صورت میں ایمان کو خدشات لاحق ہو سکتے ہیں تو ایسی صورت میں جانا ناجائز ہو جاتا ہے بصورت دیگر جائز ہے۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کو کیا مسائل پیش آ سکتے ہیں ذیل میں ان کا جائزہ لیا جائے گا۔

بیرون ملک مسلمانوں کو درپیش مسائل

پاکستانیوں کو دوسرے ممالک میں جن مشکلات و مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(الف) جز وقتی مسائل

(ب) کل وقتی مسائل

(الف) جز وقتی مسائل

i- رہائش

ii- کھانا

iii- لباس

i- رہائش کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے لیکن جب کاروبار چل نکلے یا ملازمت مل جائے تو رہائش کا مسئلہ بہتر انداز سے حل ہو جاتا ہے۔

ii- کھانا کھانے کا مسئلہ شروع میں درپیش ہوتا ہے بعدازاں موجود پاکستانی بھائیوں سے مشورہ کر کے اپنے طور پر بھی کھانا تیار کیا جاسکتا ہے۔اس طرح حلال گوشت اور حلال چیزیں ملنا ممکن ہو جاتی ہیں۔

iii- وہاں کی کمیونٹی کے مطابق شروع میں وہاں کے لباس کی چونکہ عادت نہیں ہوتی اس لئے مسئلہ ہوسکتا ہے لیکن بعد میں ان کے لباس کو جائز حدود کے اندر اختیار کیا جائے، ستر پوشی کا خیال ضروری ہے کیونکہ یہ بہر حال اسلامی ضرورت ہے۔

(ب) کل وقتی مسائل

ان مسائل کا تعلق زیادہ تر اولاد سے ہے۔

i- تربیت

ii- تعلیم

iii- شادی

i- تربیت اولاد:

بچہ معصوم ہوتا ہے اس پر اپنے گھر اور ماحول کا اثر بہت جلد پڑتا ہے غیر مسلم معاشرہ ہر قسم کی حدود وقیود سے آزاد ہوتا ہے اس لئے اگر ممکن ہو تو ایسے علاقہ میں رہائش رکھنی چاہیے جہاں زیادہ تر آبادی مسلمانوں کی ہوتا کہ بچے پر اچھی کمیونٹی کے اچھے اثرات پڑیں جن کی روشنی میں بچہ اچھا انسان ثابت ہو۔

ii- تعلیم:

جب بچہ بڑا ہوتا ہے تو اسے زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے والدین اسے مختلف اداروں میں داخل کرواتے ہیں۔ غیر مسلم اپنے نصاب کے مطابق اپنے بچوں کو تعلیم دیتے ہیں اور ان ممالک کی تعلیمی پالیسیاں اُن کے اپنے افکار کی ترویج کے لئے بنائی جاتی ہیں اس لئے غیر مسلم ممالک میں رہائش رکھنے والے لوگ اپنے طور پر اپنے بچوں کو اسلام کے احکام، اصول، فرائض، عبادات اور حلال و حرام کی پہچان کا بندوبست خود اپنے طور پر کریں تا کہ مادی دنیا کے خیالات کے پختہ ہونے کی بجائے اسلامی خیالات بچے میں پختہ ہوں۔

iii- شادی:

یہ مسئلہ ہمارے موضوع سے متعلق ہے جس سے ہر فیملی کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے بعض والدین جو غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر ہیں وہاں کی تہذیب کے برے اثرات سے اولاد کو بچانے کے لئے پاکستان یا ہندوستان میں اپنے بچوں کی شادی کرنا چاہتے ہیں کیونکہ غیر مسلم معاشرہ مادر پدر آزاد معاشرہ ہے مرد و عورت کا آزادانہ میل جول اور عورت کا حق طلاق مسئلے کو سنگین بنا دیتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دو معاشروں میں اتنی عدم مطابقت ہو تو کیا غیر مسلم ممالک کے لوگوں سے اپنے بچوں کی شادیاں کر دینی چاہئیں یا نہیں۔ اس بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنّ﴾ (۳)

''اور مشرکین سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں''۔

اسی طرح ایک اور جگہ قرآن میں اس طرح بھی آیا ہے:

﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُن﴾ (۴)

''نہ وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں کے لئے حلال ہیں''

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم کا نکاح غیر مسلم سے بالکل جائز نہیں ہے اور اس لالچ میں کیا جانے والا نکاح کہ لڑکا بعد میں مسلم بن جائے گا بھی ناجائز ہے۔ اب ہم جبر کو استعمال کرنے کے لئے ولایت کے معنی پر غور کریں گے

ولایت کے معنی

❶ ولایت کے ایک معنی محبت ونصرت کے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾(۵)

''جوشخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے تو یقین جانیے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی''۔

❷ ولی بمعنی ''قرب'':

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾(۶)

''مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے مدد ومعاون اور دوست ہیں''۔

ولایت کے معنی قوت اور غلبہ کے بھی آتے ہیں اس معنی کے اعتبار سے صاحب غلبہ واقتدار کو والی کہا جاتا ہے

❸ فقہاء کی اصطلاح میں ولایت کا مفہوم:

((القدرة علی مباشرة التصرف من غیر توقف علی اجازة احد)) (۷)

''یعنی دوسرے کی اجازت پر توقف کے بغیر کسی تصرف پر بذات خود قادر ہونا''

ایسا تصرف کرنے والے کو ولی کہا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں بھی اس مفہوم میں لفظ ولی کا استعمال ہوا ہے۔

﴿فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ﴾ (۸)

''پس اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوادے''۔

❹ نابالغ اور مجنون کی مصلحتوں کی رعایت اور ان کے حقوق کی حفاظت تاکہ ان کے عاجز وضعیف ہونے کی بناء پر ان کے حقوق ضائع نہ ہونے پائیں ولی کی ضرورت ہوتی ہے۔

❺ شریعت اسلامیہ میں ولایت نکاح کا مفہوم یہ ہے:

''کسی کو دوسرے کے عقد نکاح کا اختیار حاصل ہونا''۔(۹)

اس کی دو صورتیں ہیں:

(i) ولایت اجبار:

ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہ ہو۔

((تنفيذ القول على الغير شاء الغير ام ابى)) (۱۰)

''یعنی دوسرے پر قول کو نافذ کرنا چاہئے دوسرا چاہے یا نہ چاہے''۔

(ii) ولایت استحباب:

ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف ہو۔

قرآن سے ثبوت ولایت

اب ہم ولی کی ولایت کے لئے قرآن سے استدلال لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ﴾ (۱۱)

''تم میں سے جو مرد عورت مجرد ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں کا بھی''۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ (۱۲)

''اور مشرکین سے (اپنی بیٹیوں کا) نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں''۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں خطاب اولیا سے ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ نکاح کی ذمہ داری ان کے سپرد ہے نہ کہ عورتوں کے ذمے جن کا نکاح ہو رہا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾(۱۳)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں''۔

اس فضیلت کی وجہ سے مردوں کو عورتوں پر حاکم، منتظم اور نگران بنایا ہے یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے محض مردوں کو اس وجہ سے بھی دی ہے کہ مرد عورتوں پر مال خرچ کرتے ہیں۔ مہر دیتے ہیں اور دیگر نفقات بھی کرتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾(۱۴)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو پھر انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ معروف طریقہ پر باہم رضامندی سے معاملہ طے کریں''۔

یہاں لفظ العضل استعمال ہوا ہے اس کے معنیٰ ہیں نکاح سے روکنا، قید کرنا اور تنگ کرنا مطلب یہ ہے کہ طلاق بائن کی عدت گزر جانے کے بعد جبراً اور کراہاً نکاح کرنے سے نہ روکو۔ تفسیر صافی میں ہے کہ اس آیت میں یا تو ان شوہروں سے خطاب ہے جو عدت گزر جانے کے بعد بھی اپنی مطلقہ عورتوں کو نکاح ثانی سے جبراً روکتے ہیں یا یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو ولی ہوں اور اپنے کسی مفاد کی غرض سے نکاح سے روکتے ہیں یا نکاح ہو چکا ہو اور شوہر کے پاس نہ جانے دیتے ہوں یا شوہروں سے اور باقی اولیا سے یہ خطاب مشترک ہے یا عام طور پر کل آدمیوں سے ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ اولیا عورتوں کو شوہروں کے انتخاب سے روکتے ہیں اور روکنا اسی کی طرف سے ممکن ہے جس کے اختیار میں شئی ممنوع ہو اس آیت سے معلوم ہوا کہ عقد نکاح کا اختیار ولی کو ہے نہ کہ عورت کو۔

احادیث نبوی ﷺ سے ثبوت ولایت

جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں چند احادیث اس بات کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔

((قال رسول اللہ ﷺ لا نکاح الا بولیّ))(۱۵)

''رسول اللہ نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے''۔

ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے:

((عن عائشة ان رسول اللّٰہ قال: ایّما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیّها فنکاحها باطل، فان دخل بها فلها المهر بما استعمل من فرجها فان اشتجروا فالسلطان ولیّ من لا ولیّ له)) (۱۶)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس عورت نے اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے پھر اگر اس سے (مرد نے) مباشرت کی تو اس مباشرت کو حلال کر دینے کی بناء پر عورت کے لئے مہر ہے اور اگر اولیا کے درمیان نزاع ہو جائے تو سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں''۔

ایک اور حدیث میں بھی اس طرح اس بات کی تائید ملتی ہے۔

((عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لا تزوج المراۃ المراۃ ولا تزوج المراۃ نفسها فان الزانیة هی تزوج نفسها))(۱۷)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت، عورت کا نکاح نہ کرے اور عورت خود اپنا نکاح بھی نہ کرے کیونکہ زانیہ اپنا نکاح خود کرتی ہے''۔

کیا جبراً نکاح درست ہے؟

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ڈرا دھمکا کر، زدوکوب یا پاسپورٹ ضائع کر دینے کی دھمکی سے یا غیر معمولی دباؤ یا زبردستی دستخط کروانا جیسے اقدام نکاح کے وجوب کو ثابت کرتے ہیں یا نہیں۔

جبری نکاح کے خلاف ابن حزم الظاہری یوں لکھتے ہیں:

((نکاح المکرہ فمن حکم بامضاء نکاح مکرہ فحکمہ مردود ابداً، والواطی فی ذلک النکاح زان)) (۱۸)

''زبردستی نکاح کا مسئلہ یہ ہے کہ جو بھی زبردستی نکاح کو جائز قرار دے گا اس کا حکم ہمیشہ مردود قرار پائے گا اور اگر کوئی شخص زبردستی نکاح کر کے مجامعت کر لے گا تو وہ زبردستی نکاح کی وجہ سے زانی قرار پائے گا''۔

المحلی میں احکام الاکراہ کے عنوان کے تحت اس طرح درج ہے:

قال ابو محمد:

((فمن حکم بامضاء نکاحٖ مکرہ اوطلاق مکرہ او عتق مکرہ فحکمہ مردود ابداً والواطی فی ذلک النکاح وبعد ذلک الطلاق و بعد ذلک العتق ان تزوج المطلقة زان والمعتقة یحدو یرجم ان کان محصنا ویجلد مائة و یضرب عاما ان کان غیر محصن)) (۱۹)

''یعنی جو شخص زبردستی نکاح یا زبردستی طلاق یا زبردستی لونڈی آزاد کرائے گا تو اس کا حکم ہمیشہ کے لئے مردود ہوگا زبردستی کرنے والا زانی قرار پائے گا اور محصن ہوگا تو اسے رجم کیا جائے گا غیر محصن ہو تو سو کوڑے اور ایک سال جلاوطن کیا جائے گا''۔

ابن حزم کہتے ہیں:

''ہر شخص اس کا ذمہ دار ہوگا جو اس نے خود کیا ہو۔ قرآن سے ثابت ہو گیا کہ بالغہ کا نکاح اس کا باپ بغیر اس کی رضا کے نہیں کر سکتا۔ اس سلسلے میں بہت سے آثار صحیحہ بھی مروی ہیں۔ مثلاً جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی باکرہ بیٹی کی شادی اس کی مرضی کے بغیر کر دی تو نبی کریم ﷺ نے خاوند بیوی میں تفریق کرادی''۔ (۲۰)

ولی کی اجازت کے بغیر نکاح

قعقاع بن ثور کا نکاح ولی کی مرضی کے بغیر ولی کی غیر موجودگی میں ہوگیا۔ باپ جب گاؤں سے واپس آیا تو معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع سے پوچھا کہ کیا اس نے بیوی سے صحبت کی ہے اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے اس نکاح کو درست قرار دیا۔

((سلام و جرير عن عبدالعزيز بن رفيع عن ابى سلمة بن عبدالرحمن قال: جاء ت امراة الى النبیؐ فقالت: يا رسول الله ان عم ولدى خطبينى فرده ابى وزوجنى وانا كارهة قال: فدعا اباها فساله عن ذلك فقال ابى انكحتها ولم آلوها خيراً، فقال رسول الله ﷺ: لا نكاح اذهبى فانكحى من شئت)) (۲۱)

''سلام اور جریر عبدالعزیز بن رفیع سے، ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن سے، روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور بولی کہ میرے بیٹے کا چچا میرے لئے رشتہ لایا۔ لیکن میرے والد نے انکار کر دیا اور پھر کسی اور سے نکاح کر دیا جو مجھے پسند نہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے اس کے باپ کو بلایا اور اس سے پوچھ گچھ کی۔ باپ نے کہا کہ میری نیت سوائے خیر اور بہتری کے کچھ نہ تھی۔ اس لئے نکاح کر دیا۔ اس پر نبیؐ نے فرمایا کہ یہ نکاح نہیں ہے عورت سے کہا کہ جاؤ جس سے چاہو نکاح کرلو''۔

والدین کا حق ولایت

بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ شریعت نے اولیا کو جو تصرف کا اختیار دیا ہے وہ والدین کو بچوں کی تربیت اور دین سے محبت پیدا کرنے میں اختیار کرنا چاہئے نہ کہ نکاح میں جبر کیا جائے۔ اگر تعلیم و تربیت درست ہوگی تو یہ مسئلہ درپیش نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں مختلف احادیث و روایات وارد ہوئی ہیں انہیں جانچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

((لا تنكح الايم حتى تستامر ولا تنكح البكر حتى تستاذن)) (۲۲)

''ثیبہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر اور باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے''۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابوسلیمان رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ کم سن بیٹی کا نکاح بلوغ سے پہلے باپ جہاں چاہے کر سکتا ہے چاہے کنواری ہو یا ثیبہ۔ جب بالغ ہو جائے تو لڑکی جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے اور باپ یا کسی اور ولی کی اجازت کی ضرورت نہیں اسی طرح کسی اور کے لئے جائز نہیں کہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرے چاہے لڑکی کنواری ہو یا اس کا قبل ازیں نکاح ہو چکا ہو۔

ابن حزم لکھتے ہیں:

''ثیبہ صغیرہ لڑکی کا کوئی شخص نکاح نہیں کر سکتا حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے چاہے اس کا کنوارہ پن زبردستی ختم کیا ہو یا اس کی رضامندی سے ختم کیا ہو بذریعہ حرام یا حلال''۔(۲۳)

موطأ امام مالک میں مذکور ہے:

((الايم احق بنفسها من وليها والبكر تستاذن نفسها واذنها صماتها)) (۲۴)

''ثیبہ اپنے معاملہ میں ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور بکر (کنواری) سے اس کے معاملہ میں اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے''۔

((عن عائشة ان امرأة دخلت عليها فقالت ان ابى زوجنى ابن اخيه ليرفع بى خسيسته وانا كارهة قالت اجلسى حتى يأتى النبى ﷺ فجاء رسول اللهﷺ فدعاه فجعل الامر اليها فقالت يا رسول الله! قد اجزت ما صنع ابى ولكن اردت ان اعلم النساء من الامر شىء)) (۲۵)

''عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کر دیا تاکہ میرے ذریعہ اس کی خست کو دور کرے جبکہ میں اسے پسند نہیں کرتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ

نبی ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اس کے والد کو بلا بھیجا اور عورت کو اختیار دیا، عورت نے کہا یا رسول اللہ میرے والد نے میرا جو نکاح کر دیا ہے اسے میں برقرار رکھتی ہوں میں دراصل یہ جاننا چاہتی تھی کہ کیا عورتوں کو اپنے نکاح کا حق ہے"۔

اس حدیث میں عورت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار دیا گیا۔

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی وارد ہوئی ہے:

((ولکنی اردت ان اُعَلّم النساء ان لیس للاباء من الامر شی ء))(۲۶)

"لیکن میں نے چاہا کہ میں لڑکیوں (عورتوں) کو بتادوں کہ نکاح کے معاملہ میں باپوں کا کوئی دخل نہیں"۔

جن احادیث میں ولی کی ولایت کا ذکر ہے ان کی تخریج یوں کی گئی ہے:

((عن عائشة ان رسول اللهﷺ قال ایّما امراة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل فان دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها فان اشتجروافالسلطان ولی من لا ولی له))(۲۷)

اس حدیث کو کمزور کرنے والی بات یہ ہے کہ اکثر طرق میں ابن جریج خود کہتے ہیں کہ میں زہری سے ملا تو انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا۔ اس کا ایک راوی ابن جریج ہے جس کے بارے میں علماء رجال نے کلام کیا ہے اس کی روایت معنعن ہے کتاب المدلسین کے مطابق ابن جریج مدلس تھا اس کی بعض روایات نامقبول ہیں۔

((عن عبد الله بن احمد حدثنی ابی ثنا معمر بن سلیمان ثنا حجاج بن ارطاة، عن الزهری، عن عروة، عن عائشة، عن النبیﷺ قال لا نکاح الابولی والسلطان ولی من لاولی له))(۲۸)

اس حدیث کے راوی الحجاج بن ارطاۃ کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔(واللہ اعلم)

ایک اور روایت میں آیا ہے:

((عن ابن عبدالخالق أنبأنا عبدالرحمن ابن احمد أنبانا محمد بن عبدالملك ثنا الدارقطني، ثنا ابوذر احمد بن محمد قال ثنا احمد بن الحسين بن عبدالنسائی، ثنا محمد بن یزید بن سنان، ثنا ابی عن هشام بن عروه عن ابیه عن عائشة قالت قال رسول اللهﷺ لا نکاح الا بولی، شاهدی عدل)) (۲۹)

اس سند میں دو راوی باپ اور بیٹا دونوں ضعیف ہیں۔ اس میں راوی ابوموسیٰ کا نام ہی نہیں لیا گیا دونوں منقطع طریق پر روایت ہوئی ہیں لہٰذا یہ روایات منقطع ہیں کچھ روایات ایسی ہیں جن میں نبی ﷺ نے اولیا کے نکاح کو جب بیٹیوں کی رضامندی کے بغیر کیا ہو، رد کر دیا اور لڑکیوں کو نکاح کرنے کی اجازت دی۔

ابن جوزی لکھتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے:

''یزید بن ہارون نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں محمد بن اسحاق نے حجاج بن السائب بن ابی لبابہ نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ایک لڑکی (خذام) کی ابی لبابہ سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر باپ نے انکار کر دیا اور بنی عوف میں ایک آدمی سے شادی کر دی اس کی مرضی کے خلاف۔ پس معاملہ نبی ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی کو اپنا فیصلہ کرنے کا زیادہ حق ہے مزید حکم دیا کہ لڑکی کی خواہش پوری کرو۔ پس لڑکی نے ابولبابہ سے نکاح کر لیا اور پھر لڑکی سے ابوالسائب بیٹا پیدا ہوا''۔ (۳۰)

لڑکی کے اپنے کیئے گئے نکاح کی اہمیت

عاقلہ بالغہ عورت کے لئے اپنا نکاح خود کرنا اور دوسرے کو اپنے نکاح کا وکیل بنانا درست ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے ظاہر الروایہ میں مروی قول اور امام زفر کے قول کے مطابق یہ نکاح اگرچہ ولی کی مرضی کے بغیر ہو مطلقاً صحیح ہوگا کیونکہ اصل یہ ہے کہ جس شخص کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے اسے اپنے نفس میں بھی تصرف کا حق

ہے اور جس کو اپنے مال میں تصرف کا حق نہیں اس کو اپنی ذات میں بھی تصرف کا حق نہیں اس نکاح پر طلاق و میراث وغیرہ کے احکام مرتب ہوں گے۔

عورت کو حق ہے کہ اپنا نکاح ولی کی رضامندی کے بغیر کر لے اور اگر اس نے ایسا اقدام کیا تو عقد منعقد اور صحیح ہوگا اور عورت ایسا کرنے سے گنہگار نہ ہوگی بعض کے نزدیک ایسی صورت میں اس نے سنت نبوی کی مخالفت کی کیونکہ سنت نبوی میں نکاح کو ولی کی رضا سے مربوط کر دیا گیا ہے لہٰذا ولی ہی سے نکاح کرانے کا مطالبہ کیا جائے گا تاکہ عورت بے شرم نہ سمجھی جائے۔

اگر ولی نے عورت سے اپنی پسند سے کی گئی شادی سے اتفاق کیا تو سنت نبوی کا تحقق ہو گیا اور عقد صحیح اور بابرکت ہوا۔ کیونکہ اس میں نکاح کے تمام ارکان شرائط اور آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ولایت اجبار کا تنقیدی جائزہ

اب ہم ان مجبوریوں کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں جن کے تحت باپ اپنے لڑکے اور خاص طور پر اپنی لڑکی کا نکاح بالجبر کرتا ہے۔

i- جس ملک میں وہ مقیم ہوتا ہے اس میں لڑکی کا کفو نہیں ملتا۔

ii- باپ کو یہ خوف ہے کہ لڑکی اپنا نکاح کسی لادین، یہودی، مجوسی یا کسی عیسائی وغیرہ سے کر لے گی۔

iii- معاشرے کے بااثر لوگوں کی طرف سے اپنی لڑکی کے بارے میں خطرہ محسوس کرتا ہے۔

اگر باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح خود کسی لڑکے کے ساتھ کر دیا جو اس کا کفو ہے اور مہر مثل مقرر ہوا ہے تو درست ہے اسی طرح اگر لڑکا غیر کفو ہے لیکن مہر مثل مقرر ہوا ہے تو باپ کا کروایا ہوا نکاح اگر بالجبر بھی کروایا گیا تو جائز ہے کیونکہ باپ نے لڑکی کے مصالح کا مکمل خیال رکھا ہے اس وقت لڑکی بالغہ باکرہ ہونے کے باوجود بھی صغیرہ یا مجنونہ کے زمرے میں آتی ہے کیونکہ جس طرح صغیرہ نکاح کے مصالح سے واقف نہیں ہوتی اسی طرح یہ لڑکی بھی اپنے دین اور مذہب کے بارے میں اپنے مصالح سے واقف نہیں ہے کیونکہ اس کا یہ لاابالی پن نہ صرف اس کی اپنی ذات بلکہ اس کے خاندان اور اس کی آنے والی نسل کے لئے بھی نقصان دہ ہوں گے۔

اولاد کو سمجھانے کے لئے اسلام سب سے پہلے پیار و محبت کا طریقہ اپنانے پر زور دیتا ہے بوقت ضرورت رعب اور مجبوراً والدین کو جبر کی اجازت دیتا ہے لیکن اس میں اولاد کے مصالح کو اولیت دی گئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر بالغہ اپنا نکاح خود کرے تو اس سے معاشرے میں خوبیاں اور خامیاں پیدا ہو جانے کا کیا امکان ہے۔

اکثر اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ جو لڑکیاں اپنی مرضی سے شادی کرتی ہیں ان کی شادی کا انجام ٹھیک نہیں ہوتا۔ شاید مرد اور عورت ایک دوسرے سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر لیتے ہیں اور جب کوئی فریق کسی توقع پر پورا نہیں اترتا تو یہاں سے لڑائی جھگڑے کی ابتداء ہو جاتی ہے۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لڑکیاں چونکہ گھر سے باہر کے ماحول سے اتنی واقف نہیں ہوتیں تو کچھ آوارہ اور ناکارہ لوگوں کے جھانسے میں آ جاتی ہیں اور ان کا اصل اور مکروہ چہرہ اس وقت سامنے آتا ہے جب ان کے پاس کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔ اس صورت میں لڑکی کو مجبوراً ایسے شخص سے شادی کرنا پڑتی ہے جو ہر قسم کی برائیوں کا مجموعہ ہوتا ہے جس کام کی ابتدا ہی بدنیتی سے ہو تو اس کا انجام کیسے اچھا ہو سکتا ہے؟ چند لڑکیوں کو اس طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بہت سے شادی شدہ مرد اپنے آپ کو غیر شادی شدہ ظاہر کر کے لڑکی کو اپنے جال میں پھنسا کر اپنی پہلی بیوی کے ساتھ اس دوسری کی زندگی بھی اجیرن کر دیتے ہیں۔

جب ایک لڑکی کوئی ایسا قدم اٹھاتی ہے تو معاشرے میں نہ صرف اس کو بلکہ اس کے ساتھ اس کے خاندان کو بھی لوگ اچھا نہیں سمجھتے یوں وہ صرف اپنے لئے بلکہ پیچھے رہ جانے والے بہن بھائیوں کے لئے طعن و تشنیع کا نشانہ بنتی ہے اس صورت میں اکثر والد، بھائی یا خاندان کا دوسرا اس لڑکی کو اور جس کے ساتھ اس نے یہ شادی کرنے کا قدم اٹھایا ہوتا ہے دونوں کو مار ڈالتے ہیں یوں قتل ہونے والے لڑکے کے خاندان اور اس لڑکی کے خندان کی دشمنی شروع ہو جاتی ہے۔

اسلام کے اصول میں حقوق و فرائض کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جو والدین کے فرائض ہیں وہ اولاد کے حقوق ہیں اور جو اولاد کے فرائض ہیں وہ والدین کے حقوق ہیں والدین کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فلا تقل لهما اف ولا تنهر هما و قل لهما قولا كريما﴾ (۳۱)

''یعنی انہیں اف تک نہ کہواور اسی طرح انہیں نہ جھڑکو''۔

گویا جب والدین کو اف تک بھی کہنا جائز نہیں ہے تو یہ کیسے جائز ہے کہ جس بات سے وہ ناراض ہوں وہ کی جائے۔ایک جائز کام بھی ناجائز کے زمرے میں آ جائے گا جیسے آنحضورﷺ نے فرمایا:

''تمہارے والدین ہی تمہاری جنت اور وہ ہی تمہاری دوزخ ہیں''۔

یعنی ان کی رضا اور خوشی میں اولاد کی آخرت کی کامیابی ہے نیز آنحضورﷺ کے پاس ایک آدمی آیا جو اپنے بیٹے کو لئے ہوئے تھا اور اس کا بیٹا اپنے مال میں سے اپنے باپ کو کچھ نہیں دیتا تھا۔آپ ﷺ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اس کے باپ کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا کہ :((انت و مالك لأ بيك))''تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے''۔

اسلام کی پوری تاریخ کے کسی دور میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ شریعت نے معاشرہ کے مروجہ احکام و مراسم یا مرغوبات و مالوفات کے بارے میں شمشیر بے نیام ہو کر فیصلہ کیا ہو بلکہ پہلے اس نے روح پھونکی اور نقشہ میں اتارا پھر اپنے سانچہ میں ڈھال کر قبول کر لیا۔خلاصہ یوں ہوا:

i- ثیبہ (صغیرہ ہو یا کبیرہ) آئمہ کا اتفاق ہے کہ ولی اس پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا۔

ii- صغیرہ باکرہ کا نکاح ولی اپنی مرضی سے کرا سکتا ہے۔

iii- لیکن باکرہ بالغہ کا نکاح بعض آئمہ کی رو سے ولی اپنی مرضی سے کروا سکتا ہے جبکہ بعض آئمہ کی رو سے ولی اپنی مرضی نہیں کر سکتا۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو ان میں "والبکر تستامر" اور "والبکر تستاذن" اور "الا یم احق بنفسها والبکر تستامر" کے الفاظ ہیں۔ایم اکیلی عورت کو کہتے ہیں جو رنڈوا، بیوہ، طلاق یافتہ ہو اگر عورت کو اپنے بارے میں سارا فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا تو اس میں "والبکر" کو الگ کیوں کیا جاتا بکر سے مراد ایسی لڑکی ہے جس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشورہ کس سے لیا جاتا ہے؟ تو اس کا یقیناً جواب یہ ہوگا جو اہل ہو مشورہ دینے کا۔اب اگر فرض کریں کہ مشورہ قبول نہیں کرنا تو لازمی طور پر سوال ابھرتا ہے کہ مشورہ لیا ہی کیوں گیا۔

قرآن میں مردوں کے بارے میں آیا ہے۔

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ (۳۲)

قوام کا مطلب ہے نگران، سہارا، معاون، مددگار، لہٰذا مرد عورت کے لئے معاون مددگار رہو۔ عورت کمزور ہے چونکہ وہ اپنا زیادہ وقت گھر میں اور چند افراد کے ساتھ گزارتی ہے جو کہ اس کے ساتھ مخلص اور اس کے معاون ہوتے ہیں۔ نیز عورت کو ناقص العقل بھی کہا گیا ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ کم عقل ہے یا اس کے دماغ میں کوئی خرابی ہے بلکہ اس کا Vision ہی محدود ہے تو وہ لوگوں کے بارے میں زیادہ وسیع تجربہ بھی نہیں رکھتی اس لئے ولی اس کے ساتھ معاونت کرے گا۔

بعض لوگ نکاح کو بیع وشراء سے تعبیر کرتے ہیں لیکن بیع وشراء میں انسان کچھ وقت کے بعد فارغ ہو جاتا ہے نکاح کا معاملہ بیع وشراء اور اجارہ ورہن سے ہٹ کر ہے۔ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے۔

لہٰذا اس معاملے کو اس شخص کے ہاتھوں انجام تک پہنچنا چاہئے جس کا تجربہ ہو جو لڑکی اور لڑکا دونوں کے مصالح کو پیش نظر رکھ کر نیک نیتی سے اس معاملے کو انجام دے۔ ولی کی ولایت کی بحث میں خاص طور سے اس کے اختیارات وغیرہ کا بھی ذکر آیا ہے ہمارا خیال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ولی کو جو اختیارات حاصل ہیں ان میں سب سے زیادہ مقدم افہام وتفہیم کا ہونا ہے۔ جو معاملات بگڑیں یا جو باتیں سامنے آئیں بجائے اس کے کہ ان کو قوت وطاقت اور حکومت و عدالت کا سہارا لے کر حل کیا جائے انہیں آپس میں افہام وتفہیم کے ذریعے حل کیا جانا چاہئے۔

ایک مسئلہ

قرآن میں عورت کے اپنے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (۳۳)

آیت کے بموجب اپنی ذات کے متعلق عورت کے اقدام کے جواز کا ثبوت ہو رہا ہے اور درمیان میں ولی کی کوئی شرط نہیں ہے لیکن اگر صحت عقد کے لئے ولی کی شرط عائد کر دی جائے تو اس سے آیت کے وجوب کی نفی لازم آئے گی۔

اگر یہ کہا جائے کہ آیت میں اپنی ذات کے متعلق عورت کے اقدام سے مرد کا ازدواجی زندگی اختیار کرتا ہے اور عورت کے سلسلے میں کوئی عقد اس کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہوگا اس کے جواب میں کہا جائے گا یہ بات دو وجوہ سے غلط ہے۔ اول یہ کہ لفظ کا عموم ازدواجی زندگی اختیار کرنے یا نہ کرنے دونوں کو شامل ہے دوم ازدواجی زندگی کو پسند کر لینے یا اختیار کر لینے سے اپنی ذات کے متعلق کوئی قدم اٹھانے کا مفہوم حاصل نہیں ہوتا یہ مفہوم تو عقد کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جس کی بنا پر نکاح کے احکام متعلق ہوتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ

عقد نکاح کے اولین مقاصد عورت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان مقاصد میں کوئی ولی اس کا شریک نہیں مثلاً جماع کی حلت، نفقہ اور سکنی کا وجوب اور اس طرح کے دوسرے مخصوص حقوق جو اس عقد کے نتیجہ میں عورت کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے معاملات میں اصل یہ ہے کہ مقاصد وہ شخص انجام دے جو ان اصلی مقاصد سے متعلق ہو۔

لیکن ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اگر ولایت ضروری ہوتی تو اس کی خصوصیات آنحضورﷺ بتا دیتے کہ اس کے اندر یہ یہ خوبیاں ہونی چاہئیں۔ نیز اس موقع پر یہ بھی سوال کیا جاتا ہے کہ تمام آئمہ باپ کو ولی مجبر مانتے ہیں اور عدم موجودگی میں دادا یا بھائی۔ فرض کریں باپ دادا کی عدم موجودگی میں دو جڑواں بھائی ہیں تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟

اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ اگر آنحضورﷺ نے صرف باپ دادا یا بھائی کسی کو بھی ولی مخصوص نہیں کیا کیونکہ تمام انسان فانی ہیں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر کسی کا باپ، دادا، بھائی وغیرہ ہوں۔ فرض کریں ارضی وسماوی آفات یا جنگوں میں کسی کے تمام ولی فوت یا لاپتہ ہوگئے ہوں تو پھر ایسی لڑکی کے بارے میں کیا کیا جائے گا؟ اس پر یہ جواب دیا جاتا ہے کہ سلطان اس کا ولی ہوگا جس کا کوئی ولی نہیں ہے ہم فرض کرتے ہیں کہ وہاں پر کوئی بادشاہ نہیں ہے یا بادشاہ ہے تو بہت دور ہے اس تک جانے کے لئے زادراہ نہیں تو اس وقت وہ لڑکی کیا کرے؟ کیا اس کی شادی نہیں ہونی چاہئے؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ استثنائی صورتیں ہیں اور ان استثنائی صورتوں میں شریعت کے استثنائی اصول وقواعد کا اطلاق ہوگا تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ قانونی ہدایات، انسانی مصالح اور معاشرتی ضرورتوں کے لئے ہوتی ہیں۔

ولی کے بارے میں عام طور پر یہ خیال ہے کہ باپ ودادا ایک طرف تو اپنی اولاد کے حق میں انتہائی شفیق اور سچے خیر خواہ ہوتے ہیں دوسری طرف وہ جہاں دیدہ، پختہ کار اور صاحب نظر بھی ہوتے ہیں اسی لئے ان سے یہی توقع رکھی جاسکتی ہے کہ اپنے لخت جگر کے مستقبل کے بارے میں اہم ترین فیصلہ کرتے وقت کم اندیشی اور کوتاہ نظری سے کام نہیں لیں گے اور مخلصانہ وخیر خواہانہ ذمہ داری کا حق پوری طرح ادا کریں گے۔ بلاشبہ اس خیال میں خاصا وزن ہے لیکن یہ وزن اتنا زیادہ بھی نہیں ہے کہ اس خیال یا رائے کو ایک دائمی کلیہ کی حیثیت سے تسلیم کرلیا جائے، کم از کم آج کے دور کا تجربہ اور مشاہدہ تو اس نظریہ کی پوری پوری تائید نہیں کرتا زوال کے مارے ہوئے مسلم معاشرے میں کتنے ہی افراد ایسے مل سکتے ہیں جو اپنی نابالغ لڑکی کو نکاح کے نام پر فروخت کررہے ہوتے ہیں۔

اس بارے میں ایک سوچنے کا نقطہ یہ بھی ہے کہ آنحضور ﷺ نے کے زمانہ میں ایک عورت نے اپنے آپ کو آنحضور ﷺ نے کے لئے اپنے نفس کو ھبہ کیا تھا۔ اس وقت آنحضور ﷺ نے اس کے ایک مرتبہ کہنے پر کچھ جواب نہ دیا پھر دوسری مرتبہ بھی آپ ﷺ خاموش رہے اور تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا پھر ایک صحابی نے کہا کہ اگر آپ ﷺ نکاح نہیں کرنا چاہتے تو مجھ سے نکاح کردیں تو آپ ﷺ نے اس سے مہر میں کچھ دینے کے لئے کہا کہ اگرچہ لوہے کا چھلا ہی کیوں نہ ہو اس وقت آپ ﷺ نے اس عورت کے اس عمل کو ناپسند کر کے اسے غلط نہیں کہا۔ اگر آپ ﷺ اس وقت اس کے اس عمل کو قبول کرلیتے تو اس سے معاشرے میں بہت بڑی خرابی پیدا ہونے کا خطرہ تھا اس طرح کھلے عام زنا کا دروازہ کھل جاتا اور کوئی بھی اس کام کو غلط نہ سمجھتا۔ چونکہ اسلام پاکیزہ مذہب ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور اپنے تمام معاملات میں اس پاکیزگی کو تمام لوگوں کو اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے لہٰذا عقد نکاح میں بھی اس پاکیزگی کو حاصل کرنا لازم اور واجب ہے۔

ہم اپنے موضوع کو تین نقاط میں سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

i- ولی کے لحاظ سے

ii- مولیٰ علیہ کے لحاظ سے

iii- فقہا اور عرف کے لحاظ سے

i- ولی کے لحاظ سے

کسی زمانے یا ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ولی اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرنے لگے یعنی باپ اپنی بالغ یا نابالغ اولاد کی مصلحت کے خلاف کام کرنے لگے تو اس اقدام کو روکنے کے لئے فقہانے باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کے لازم ہونے کے لئے چند شرطیں لگائی ہیں کہ باپ دادا مالی معاملات میں غیر امین نہ ہوں فاسق اورلا پرواہ نہ ہوں۔ اسے فقہا کی اصطلاح میں معروف بالسوء سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی موجودگی سے ولی کا حق ولایت ختم ہو جائے گا۔

ii- مولی علیہ کے لحاظ سے

عاقلہ بالغہ کے تصرفات کی صحت کو ثابت کرنے والی اہلیت ہی اس کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ دیگر معاملات کی طرح عقد نکاح کو بھی انجام دے سکے۔ لیکن اگر وہ اپنے دین و مذہب کی دی گئی رعایتوں سے تفاوت کرنے لگے تو اس کی اجازت اسلام ہرگز نہیں دیتا۔ اگر مذہب اسلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو وہ پانچ چیزوں ہی کی حفاظت پر زور دیتا ہے جس میں دین، جان و مال، عقل اور نسل ہیں۔

جب لڑکی غیر مسلم معاشرہ میں کسی ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتی ہے جس سے اس کے درج شدہ پانچ مصالح میں سے کسی کو بھی نقصان پہنچتا ہو تو یہ اس کا فیصلہ نابالغ یا مجنون کے کئے گئے فیصلہ کی مانند ہوگا اور اس پر ولایت اجبار لاگو ہوگی جس طرح نابالغ اور مجنون اپنے مصالح کو نہیں سمجھتا اس طرح یورپ میں رہنے والی عورت جس کا کفو نہ مل رہا ہو اور اس پر تمام فقہا ولایت اجبار کے قائل ہیں لہٰذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے غیر مسلم معاشرہ کے برے اثرات سے بچانے کے لئے ولی کے بالغہ باکرہ کے کرائے گئے جبری نکاح کو بھی درست تسلیم کیا جائے گا کیونکہ فقہ کا ایک صول یہ بھی ہے:

((ما من عام الاخص عنه البعض)) (۳۴)

یقیناً زندگی میں بعض لوگوں کو حالات کی ایسی صورت کا سامنا بھی کرنا ہوتا ہے کہ وہ خلاف قانون کوئی کام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا اولاد کے مصالح کے لئے اگر والدین کو ان کے جبراً نکاح کروانے کا اقدام بھی کرنا پڑے (جو بعض فقہا کی رو سے اگر نص کے خلاف ہے) تو بھی جائز ہے کیونکہ اسلام میں اضطراری حالات میں نصوص کو ترک کرنے کی اجازت ہے اس لئے والدین کے اس اقدام سے شریعت کے مصالح خمسہ (دین، جان، مال، عقل، نسل) میں سے دین اور نسل کی حفاظت مقصود ہے۔

اس فیصلے میں منطق یہ بھی ہے کہ فرض کریں اگر لڑکی کو دھمکی کے تحت نکاح پر مجبور کیا گیا ہے تو بھی جائز ہے کیونکہ اس نے زندگی اور موت میں سے کسی ایک کو ترجیح دی ہے یعنی ترجیح سے پہلے اس نے جینے اور مرنے کے بارے میں سوچا ہے اور سوچ کر کیا گیا فیصلہ اس کی مرضی کا ہے اور مرضی اس کا اذن ہے جسے قبول کیا جائے گا اور اس سے نکاح کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

iii- فقہا اور عرف وعموم کے لحاظ سے

مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک لڑکی خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی ولی کے واسطہ ہی سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے۔
ابن قدامہ نے جمہور کے نقطہ نظر کو ان الفاظ میں واضح کیا:

((ان النکاح لا یصح الا بولی ولا تملك المرأة تزویج نفسها ولا غیرها،
ولا توکل غیر ولیها فی تزویجها فان فعلت لم یصح النکاح)) (۳۵)

حنفیہ کے نزدیک عاقلہ بالغہ لڑکی خود اپنا نکاح ولی کی مرضی کے بغیر بھی کر لے تو اس کا نکاح منعقد ہو جائے گا البتہ اس کا یہ عمل خلاف مستحب ہوگا۔

((عن ابی حنیفه تجوز مباشرة البالغة العاقلة عقداً نکاحها ونکاح
غیرها مطلقاً اِلّا أنه خلاف المستحب وهو ظاهر المذهب)) (۳۶)

''خلاف مستحب'' کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے لڑکی گنہگار نہیں ہوگی۔ البتہ اس طریقہ کار کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی۔

اسلامی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہتر ہے کہ ولی کی رائے یا اس کی اجازت لے لی جائے اور ولی ہی عقد نکاح کو انجام دے تاکہ عورت بے حیائی کی طرف منسوب نہ ہو اور عرف و دستور کے خلاف بھی نہ ہو۔

عرف وعموم کے لحاظ سے

عرف وعموم کی رو سے دیکھا جائے تو شروع سے اولیا ہی اپنے بچوں کے نکاح کا انعقاد کرتے آئے ہیں اسے زمانے میں عزت ووقار اور خوشی اور مسرت کا باعث سمجھا جاتا ہے لیکن اگر لڑکی خود اپنا نکاح کر لے اسے اچھا نہیں سمجھا جاتا اسلام میں اس عرف وعموم کا لحاظ رکھا جاتا ہے جس سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو۔عرف وعموم کی بنا پر کوئی حرام چیز حلال نہیں ہوتی۔البتہ اس سے کلام کا مفہوم متعین ہوتا ہے نیز شرعی احکام کا انطباق کرنے میں مدد ملتی ہے اور معاملات کی نت نئی شکلوں کو ان کے رائج ہونے کی بنا پر قبول کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ ان کی مناسب توجیہ کی جا سکے۔ضرورت کی بنا پر اباحت و رخصت اس صورت میں ہوتی ہے جبکہ کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہوتی ہو۔ ایک غیر اسلامی ریاست میں رہنے والے مسلمان کو سیاسی، معاشرتی، معاشی مسائل کے سلسلہ میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اس بات کے متقاضی ہوتے ہیں کہ قابل عمل اور مبنی بر مصالح صورتیں اختیار کی جائیں۔

مجموع الفتاوی میں ہے:

((ثم ان ما نهى عنه لسد الذريعه جائز للمصلحة الراجحة))

"جو چیز سد ذریعہ کی غرض سے ناجائز قرار دی گئی ہیں وہ مصلحت راجحہ کے لئے جائز ہو جاتی ہیں"

حاصل بحث

مغربی ممالک کے غلط ماحول میں پرورش پانے والی اولاد اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے مصالح خمسہ (دین، جان، مال، عقل اور نسل) کو سمجھ کر فیصلہ کرے۔ بلکہ وہ جنسیاتی ماحول کے آلودہ سیلاب میں بہہ کر جذباتی فیصلے کر سکتی ہے اور جذبات کی رو میں بہہ کر کئے گئے فیصلے اکثر پچھتاوے کا سبب بنتے ہیں۔

فقہ کے درج شدہ اصول کے تحت والدین کی ولایت جو سد الذریعہ کی غرض سے ناجائز تھی اب اس میں اولاد کی مصلحت راجحہ کی موجودگی سے وہ جائز قرار پائے گی اور والدین کے جبراً کرائے گئے نکاح کو جائز اور صحیح تسلیم کیا جائے گا۔

دوسرے الفاظ میں مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے والدین خصوصی حالات میں اگر اپنی بیٹی کا جبری نکاح کر دیں تو یہ درست ہوگا۔اس میں حالات و زمانہ کو سامنے رکھنا ہوگا۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) یہ رپورٹ BBC کے کئی پروگرامز میں نشر ہو چکی ہے۔

(۲) القرآن (الملک) ۱۵:۶۷

(۳) القرآن (البقرہ) ۲۲۱:۲

(۴) القرآن (الممتحنہ) ۱۰:۶۰

(۵) القرآن (المائدہ) ۵:۵

(۶) القرآن (التوبہ) ۷۱:۹

(۷) عینی، علامہ بدرالدین، البنایہ شرح ہدایہ، ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد، کتاب النکاح، ص ۲

(۸) القرآن (البقرہ) ۲۸۲:۲

(۹) بحوالہ نمبر ۷

(۱۰) زحیلی، وھبہ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان ۱۹۹۵ء، ج:۲، ص ۱۷۹

(۱۱) القرآن (النور) ۳۲:۲۴

(۱۲) القرآن (البقرہ) ۲۲۱:۲

(۱۳) القرآن (النساء) ۳۴:۴

(۱۴) القرآن (البقرہ) ۲۳۴:۲

(۱۵) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب لا نکاح الا بولی، ج:۱، ص ۱۶۳

(۱۶) ....ایضاً............

(۱۷) ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، پیر محمد کتب خانہ کراچی ۱۹۸۴ء، کتاب النکاح باب لا نکاح الا بولی، ج:۱، ص ۱۸۸۲

(۱۸) ابن حزم ابومحمد علی احمد، المحلی، مطبعۃ الامام قاہرہ، احکام الاکراہ، ج:۸، ص ۳۳۵

(۱۹) ....ایضاً............

(۲۰) ابن حزم ابومحمد علی احمد، المحلیٰ، مطبعۃ الامام قاہرہ، احکام الاکراہ، ج:۹،ص ۳۴۱

(۲۱) ابن ابی شیبۃ ابی بکر عبداللہ، المصنف، ادارہ القرآن العلوم اسلامیہ کراچی، ۱۹۸۶ء

(۲۲) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۹۷۲ء، باب استیذان الشیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت

(۲۳) حوالہ سابق (المحلیٰ، ابن حزم)، احکام النکاح، ج:۹،ص ۴۵۹

(۲۴) مالک بن انس، موطا امام مالک، للنشر والتوزیع القادسیہ الکویت

(۲۵) نسائی، احمد بن شعیب، سنن نسائی، مطبعۃ مصطفیٰ حلبی مصر، ۱۳۸۳ھ، کتاب النکاح، باب البکر یزوجھا ابوھا وھی کارھۃ، ج:۲،ص ۶۹

(۲۶) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب لا نکاح الا بولی، ج:۱،ص ۱۶۳

(۲۷) ....ایضاً............

(۲۸) ....ایضاً............

(۲۹) ....ایضاً............

(۳۰) ....ایضاً............

(۳۱) القرآن (الاسراء) ۱۷:۲۳

(۳۲) القرآن (النساء) ۴:۳۴

(۳۳) القرآن (البقرہ) ۲:۲۳۴

(۳۴) الدبوسی، ابی زید عبداللہ بن عمر بن عیسیٰ، تاسیس النظر، المطبعۃ الادبیہ، مصر

(۳۵) ابن قدامہ، المغنی، بحوالہ سابق

(۳۶) ابن ہمام، فتح القدیر، ص ۳۷، ۲۵۵